عالمی تحریکِ جہاد

ایک تعارف

تنظیم القاعدہ کے

مسئولِ دعوت و ابلاغ برائے پاکستان

اُستاد أحمد فاروق

سے ادارہ السّحاب کی ملاقات

(حصہ اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالمی تحریکِ جہاد

ایک تعارف

تنظیم القاعدہ کے مسئولِ دعوت و ابلاغ برائے پاکستان

استاد احمد فاروق حفظہ اللہ

سے السحاب کی ملاقات

(حصہ اوّل)

(شعبان ۱۴۳۰ھ / اگست ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنظیم القاعدہ کے مسئولِ دعوت و ابلاغ برائے پاکستان

استاد احمد فاروق حفظہ اللہ

سے ادارہ السّحاب کی ملاقات

(شعبان ۱۴۳۰ھ / اگست ۲۰۰۹ء)

السّحاب : بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم- الحمد للّٰہ و الصلوۃ و السلام علی رسول اللّٰہ-

آج ہم استاد احمد فاروق سے ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہیں۔ استاد احمد فاروق تنظیم القاعدہ کے مسئولِ دعوت و ابلاغ برائے پاکستان ہیں۔ اور آج پہلی دفعہ ہے کہ اردو زبان میں القاعدہ کے کسی مسئول سے گفتگو کا احوال **السّحاب** سے نشر کیا جا رہا ہے۔ آج اس گفتگو کا حصہ اوّل پیش کیا جا رہا ہے جس میں ان شاء اللہ دنیا بھر میں جاری جہاد اور اس مقدس فریضے پر اٹھائے جانے والے بعض اعتراضات کا جائزہ لیا جائے گا۔

سب سے پہلے ہم استاد احمد سے تنظیم القاعدہ کا تعارف چاہیں گے۔

استاد احمد: الحمد للہ رب العالمین. والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمد و علی الہ و صحبہ و ذریتہ أجمعین. اما بعد:

تنظیم قاعدۃ الجہاد، جو مختصراً دنیا بھر میں القاعدہ کے نام سے جانی جاتی ہے...... پوری دنیا میں فتنے کے خاتمے، کلمۃ اللہ کی بلندی اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کے لئے جہاد کرنے والی ایک تنظیم ہے۔ جس کے امیر شیخ اسامہ بن لادن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شر سے ان کی

حفاظت فرمائے اور انہیں اپنے رستے کے پر...... جہاد کے رستے کے پر استقامت عطا فرمائے۔ اللہ ان کے فیصلوں میں برکت ڈالے۔

مختصراً تنظیم کا رسمی تعارف تو یہ ہے۔ باقی، القاعدہ کو دیکھنے کا ایک اور انداز بھی ہے، کہ اب یہ محض ایک تنظیم کے طور پر محدود نہیں رہی کہ جس کے کچھ با قاعدہ بیعت یافتہ اراکین ہوں بلکہ اب یہ ایک منہج کا نام بن چکا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی کفر کے خلاف مقاومت، مزاحمت، جہاد کا نام لیا جائے...... جہاں بھی کفار کی، طواغیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارنے کا نام لیا جائے، جہاں بھی امت کے دفاع کا اور امت کی طرف سے کسی کے قتال کا تذکرہ آئے......تو ساتھ ہی ساتھ القاعدہ کا نام وہاں خود بہ خود آتا ہے۔ جہاد اور القاعدہ...... یہ دو لفظ اب لازم وملزوم بن چکے ہیں۔ اس اعتبار سے بات کریں تو...... جیسا کہ میں نے کہا...... کہ یہ ایک روایتی قسم کی تنظیم نہیں رہی، بلکہ امت کی طرف سے جو بھی شرعی منہج کے مطابق قتال کرے گا، وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو اور کسی بھی نام سے کام کر رہا ہو، وہ ہم میں سے ہے اور ہم اس سے ہیں۔

اور یہاں آخری بات یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ جب ہم تنظیم کے طور پر بات کرتے ہیں تو یہ تو صرف اس دور میں پیش آنے والا النازلة من النوازل...... یا اس دور میں پیش آنے والا ایک نادر امر ہے کہ مسلمانوں کے اوپر ایسی حکومتیں مسلط ہیں جو خود جہاد کے فریضے کو سرانجام نہیں دے رہیں بلکہ الٹا جہاد کو روکنے کا کام کر رہی ہیں۔ ورنہ اصلاً جہاد کسی تنظیم کا، یا محض کسی فرد کا فرض نہیں...... خلافت کا یا مسلمانوں کی حکومت کا فرض ہوتا ہے۔ تو اس ہنگامی صورتحال میں ہم کام کو ترتیب دینے کی غرض سے یوں تنظیموں کی صورت میں منظّم ہوئے ہیں۔ ورنہ ہم اپنے آپ کو اس امت کا ایک جزو سمجھتے ہیں۔ علیحدہ سے اپنا کوئی تشخص نہیں رکھتے ہیں...... بلکہ جس طرح اللہ نے ہمارا تعارف کروایا کہ ھو سمّاکم المسلمین، تو اسی طرح ہمارا بھی یہی تعارف ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور اسی مسلم امت کا ایک حصہ ہیں...... اور اسی کے دفاع کی خاطر جہاد میں مصروف ہیں۔

السّحاب: القاعدہ تو ایک عرب تنظیم کے طور پر جانی جاتی ہے۔ پاکستانی افراد اس میں کیسے شامل ہوئے؟

استاد احمد: اس حد تک تو شاید یہ بات درست ہو کہ جن مجاہدین نے......جن میں سے شاید بہت سے اب شہید ہو چکے ہیں......اس کی بنیاد رکھی اور ابتداءً اس میں شریک ہوئے اس میں بڑی اکثریت عرب ساتھیوں کی تھی اور ابھی بھی القاعدہ کا ایک بہت بڑا حصہ عرب مجاہدین پر مشتمل ہے۔لیکن یہ نہ تو القاعدہ کا کوئی تعارف ہے اور نہ اس میں داخلے کی کوئی شرط ہے۔ یہ تو جیسے میں نے پہلے کہا......ایک منہج کا، اسلام کے دشمنوں کے خلاف قتال کرنے والوں کا ایک مجموعہ ہے۔تو جو بھی اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے پر قائم ہو، شریعت کے احکامات کے مطابق جہاد کا فرض ادا کرتا ہو...... وہ اس میں شامل ہو سکتا ہے، خواہ وہ کسی قوم سے، کسی بھی نسل سے، کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلام نے تو ہمیں یہ تفریقات نہیں سکھائی ہیں۔ اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ الجزائر میں بھی القاعدہ کام کر رہی ہے، عراق میں بھی القاعدہ کام کر رہی ہے، افغانستان میں بھی القاعدہ کام کر رہی ہے، پاکستان میں بھی القاعدہ کام کر رہی ہے۔ جن علاقوں میں یہ کام کر رہی ہے، ان کے علاوہ بھی ......مختلف قومیتوں کے......امریکا سے تعلق رکھنے والے، یورپ کے مختلف مما لک سے تعلق رکھنے والے، آسٹریلیا سے تعلق رکھنے والے اور فلپائن، انڈونیشیا اور دیگر مسلم مما لک سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھی اس میں شامل ہیں۔ ہر قسم کے پس منظر سے لوگ آتے ہیں اور اس میں داخل ہوتے ہیں۔ پاکستانی افراد بھی اس میں موجود ہیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

السّحاب: یہ مقاصد جو آپ نے بتائے، ان کے حصول کے لئے جہاد ہی کا رستہ کیوں اپنایا گیا؟

استاد احمد: دیکھئے! یہ ہمارا فیصلہ تو نہیں ہے۔ ہم دنیا میں اللہ کے بندے اور غلام کے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور یہی وہ فرض ہے جس کی ادائیگی کے لئے اللہ نے ہمیں دنیا میں بھیجا ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں بعد اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ٥ **و ما خلقت الجن**

و الانس الا لیعبدون۔تو اللہ نے ہمیں پیدا ہی اپنی عبادت کے لئے، اپنی بندگی کے لئے کیا ہے۔تو جس طرح باقی زندگی کے تمام امور میں ہم پابند ہیں کہ شریعت کی طرف رجوع کریں اور اللہ تعالیٰ سے احکامات معلوم کریں، اسی طرح اس مقصد کو کیسے حاصل کرنا ہے......اللہ کا کلمہ کیسے سر بلند ہوگا اور خلافت کا احیاء کیسے ہوگا، اس کے لئے بھی ہم شریعت ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔تو شریعت ہی نے اس کے رستے...... جہاد کی طرف اشارہ کیا ہے اور شریعت ہی نے رہنمائی کی ہے کہ جہاد ہی کے ذریعے سے یہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

جہاد کے احکامات شریعت نے واضح طور پر بیان کئے ہیں۔ یہ احکامات سلف وخلف کے تمام علماء میں متفق علیہ رہے ہیں، کہ بعض حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہوتا ہے اور بعض حالات میں جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے، یعنی فرداً فرداً امت کے ہر مسلمان پر، جس کے پاس شرعاً کوئی عذر یا مجبوری نہ ہو......اس کے اوپر فرض ہو جاتا ہے۔

جن حالات میں ہم آج کل زندہ ہیں، جن حالات میں ہم نے آنکھیں کھولی ہیں، گزشتہ کافی طویل عرصے سے...... جب سے یورپ کے علاقے ہم سے واپس چھننا شروع ہوئے، کفار کے ہاتھ میں جانا شروع ہوئے......تب سے، جو شرائط فقہاء نے ذکر کی ہیں، اس کی روشنی میں جہاد ہم پر فرضِ عین ہے۔یعنی فقہاء نے جہاد کی فرضیت کے جو حالات ذکر کئے ہیں اس میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کی چپّہ برابر زمین بھی کفّار کے قبضے میں چلی جائے تو جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تمام فقہاء نے اپنی کتب میں یہ بات لکھی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایک مرد یا کوئی ایک عورت کفار کی قید میں چلی جائے تو اس کو چھڑانے کے لئے جہاد کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر مسلمانوں کے حکام اگر دین سے پھر جائیں، مرتد ہو جائیں......تو ان کے خلاف قتال فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ایسی ہی کئی دیگر صورتیں بھی ہیں جو فقہاء نے ذکر کی ہیں۔تو آج تو سارے حالات اکھٹے ہو چکے ہیں اور جہاد کی فرضیت ایک نہیں، کئی وجوہات کی وجہ سے،

پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ، ہم پر لاگو ہوتی ہے۔

جہاد کا رستہ کیوں اختیار کیا......؟ اس لئے کیونکہ ہم جہاد کو آج اپنے اوپر فرضِ عین سمجھتے ہیں۔ اپنے اوپر ہی نہیں، پوری امت کے مسلمانوں کے اوپر فرضِ عین سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے، اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے نکلے ہیں۔

یہاں مختصراً یہ اشارہ بھی کرتا چلوں کہ جو حالات اس وقت امت پر موجود ہیں، شاید اسلام کی تاریخ میں ایسے شدید حالات پہلے نہیں گزرے۔ ایک وہ وقت تھا جب ہم تین براعظموں پر حاکم تھے اور ایک یہ وقت ہے جب زمین کا ایک ٹکڑا بھی ایسا نہیں ملتا جہاں اللہ کا حکم نافذ ہو۔ جب ہماری زمینیں بھی مقبوضہ ہوں......اور جب ہمارے ایک آدھے نہیں...... ہزار ہا مجاہدین، داعیانِ دین، علماء......حتی کے خواتین تک، جیسے ہماری بہن عافیہ صدیقی ہیں، اللہ انہیں رہائی عطا کرے...... وہ سب کے سب جیلوں میں موجود ہیں اور ان کو کفار سے چھڑوانا ہمارے اوپر فرض ہے۔ اِسی تسلسل میں دیکھیں، تو آج تو ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب ہو چکا ہے جو نہ اس امت نے پہلے کبھی دیکھے ہیں، نہ ہی اس طرح خاموشی کے ساتھ کبھی برداشت کئے ہیں۔ مثلاً اللہ کی کتاب کی شان میں ایک بار نہیں، بار بار گستاخی۔ اللہ کے نبی ﷺ......جن سے بڑھ کر، اللہ کی ذات کے بعد، نہ ہمیں کوئی محبوب ہے، اور نہ ہمارے لئے کوئی ذات ان سے زیادہ قیمتی ہے......ان کی شان میں بار بار گستاخی۔

یہ سب کچھ اکٹھا ہو جانے کے بعد بھی اگر ہم اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے نہ اٹھتے تو پھر تو اللہ کے غضب کے شکار ہونے کا خوف تھا۔ تو یہ وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے ہم نے جہاد کا رستہ اختیار کیا ہے۔

السّحاب: جو لوگ دعوتِ دین کے کاموں میں مصروف ہیں ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجاہدین اللہ کے دین کی اقامت کے لئے دعوت و تبلیغِ دین کے قائل نہیں ہیں۔ آپ کیا کہیں گے اس بارے میں؟

استاد احمد: نہیں، ایسا کیسے ہو ہوسکتا ہے! جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ہم اللہ کے احکامات کے پابند ہیں۔ جس ربّ نے جہاد فرض کیا اسی نے یہ کہا کہ **یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ**۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ تو اسلام کے جتنے بھی احکامات ہیں...... وہ جہاد ہو، زکوۃ ہو، نماز ہو، حج ہو، دعوت الی اللہ ہو یا امر بالمعروف نہی عن المنکر ...... سب کو ہم اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں۔ ہمارا باقی مسلمانوں سے کوئی علیحدہ اور مختلف عقیدہ تو نہیں ہے۔

لیکن ہم وہ تمام احکامات جو شریعت نے متعین کئے اور جیسے فقہائے سلف نے اس کی تشریح کی...... اس کے موقع پر اس کے مقام کے اوپر رکھتے ہیں۔ دعوت کو ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی مفر نہیں۔ لیکن یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض مخصوص حالات ایسے ہوتے ہیں جب جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے اور دعوت کا حکم فرضِ کفایہ کا ہے۔

جب جہاد فرضِ عین ہو جائے تو وہ ایک ایسی ہنگامی صورتِ حال ہوتی ہے کہ، فقہاء نے یہ بات لکھی ہے کہ، اس وقت بچے کو اپنے والد سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، مقروض کو قرض خواہ سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے، غلام کو آقا سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے، حتیٰ کہ بیوی کو شوہر سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ایک نے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ جہاد جب فرضِ عین ہو جائے...... تو اس غیر معمولی صورتحال کے اندر باقی فرائض کے اوپر...... اگر دونوں فرائض میں کوئی تعارض آ رہا ہو...... جہاد کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ تو ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم دعوت کا کام بھی کریں گے...... جس طرح ابھی جو میں آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں اور آپ جس کام میں مصروف ہیں...... ہم مجاہد ہوتے ہوئے اپنی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ تو ان دونوں چیزوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن جب تعارض آ جائے، جب کوئی ٹکراؤ ہو، تو پھر ترجیح کس کو دی جائے گی؟...... جہاد کو دی جائے گی۔

جس امر کو ہم درست نہیں سمجھتے، وہ یہ بات ہے کہ دعوتی سرگرمیوں کو کسی ایسے انداز میں

اختیار کرنا کہ جس سے آج جو فرضِ عین جہاد ہے، وہ ترک ہو جائے۔ دعوت تو ہم بھی دیتے ہیں۔ جو مجاہد جہاں جہاں ہوتا ہے وہ جہاد کے ساتھ ساتھ اپنی دعوت بھی پہنچاتا ہے۔

یہ تو اس بات کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو اسی بات کا یہ ہے کہ جیسے امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **اَلْقِتَالُ مَا فُرِضَ لِعَیْنِہٖ**۔ یعنی قتال فی نفسہٖ مقصود نہیں تھا۔ اس کی فرضیت اس لئے نہیں ہوئی تھی کہ قتال سے بذاتِ خود خوں ریزی یا دوسرے کے ساتھ لڑنا مقصود ہو...... **بَــــلْ لِــلـدَعْوَۃِ الی الْاِسْلَام**...... بلکہ کیوں فرض کیا گیا؟...... اس لئے فرض کیا گیا کہ اسلام کی دعوت پہنچائی جائے۔ تو قتال بذاتِ خود دعوت پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں **والدعوۃ دعوتان** دعوت کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔ **دعوۃ بالبنان و ھي القتال** تلوار کے ذریعے دعوت، یعنی قتال۔ **ودعوۃ بالبنان وھو اللسان، وذلک بالتبلیغ** دوسری صورت یہ ہے کہ بیان سے دعوت دی جائے، یعنی زبانی دعوت دی جائے، جس کو ہم تبلیغ کا نام بھی دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپؒ یہ بات بھی واضح کرتے ہیں کہ یہ جو دعوت کی دوسری صورت ہے **و الثانیۃ أھون من الأولی** یہ پہلی صورت کی نسبت ذرا خفیف ہے، آسان تر ہے۔ یعنی دعوت و تبلیغ، قتال کی نسبت آسان تر ہے۔ کیوں؟...... **لأن في القتال مخاطرۃ الروح والنفس و المال و لیس في دعوۃ التبلیغ شيء من ذلک**...... کہتے ہیں کہ اس لئے کہ قتال میں اپنی جان کو، اپنی زندگی کو، اپنے مال کو خطرے میں ڈالا جاتا ہے، لیکن تبلیغ میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا پڑتا ہے۔ تو ہم اس وقت دعوت کی وہ صورت اختیار کئے ہوئے ہیں جو زیادہ مشکل ہے، جو زیادہ خطرے والی ہے، جو زیادہ قربانی طلب کرتی ہے۔

اور یہ محض ان کی ایک عبارت کی بات نہیں ہے، بلکہ آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے کہ قتال میں اور تلوار میں اللہ نے دعوت پہنچانے کی عجیب تاثیر رکھی ہے۔ اور ہم نے دیکھا کہ اب تو یہ بات باقاعدہ اعداد وشمار سے ثابت ہے کہ گیارہ ستمبر کے ایک حملے کے بعد جتنی بڑی تعداد میں لوگ یورپ و امریکا میں اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں...... سفید فام بھی اور سیاہ فام بھی...... اتنا

سالوں، بلکہ کئی دہائیوں کی تبلیغ سے نہیں ہوئے۔ تو اسلام کی طرف ایک غیر معمولی لپک تھی جو اس ایک حملے نے اور ان انیس شہداء کے خون نے پیدا کی جس سے دعوت پہنچانے کا ذریعہ بن گیا۔

اسی طرح شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ اپنی ایک تقریر میں اسی بات کو ایک چھوٹی سی مثال سے واضح کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ مکی دور کے اندر...... جہاں وہ بہترین داعی جو کبھی زمین و آسمان نے دیکھے...... وہ دعوت دے رہے تھے۔ یعنی خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ...... حضراتِ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی **رضوان اللہ علیھم اجمعین** ...... جب تک صرف زبانی دعوت دی جارہی ہوتی ہے...... وہاں تیرہ سال کی دعوت کے نتیجے میں سو سے کچھ زائد لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔ اور وہی سارے لوگ جو اس پورے مکی دور میں، مخالفت میں، معاندت میں، اسلام دشمنی میں سب سے اگلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں، جس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتال کی فرضیت کے بعد، مختلف مراحلِ جہاد سے گزرنے کے بعد، فتحِ مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوتے ہیں...... اور ان تمام کو حاضر کیا جاتا ہے...... وہ بڑے بڑے سردار، جنہوں نے گالیاں بھی دیں، ستایا بھی، جنگیں بھی کیں...... جب وہ سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں کہ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے (میں تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کروں گا) تو وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ آپ معزز بھائی ہیں، اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟...... کہ جو اسلام وہاں تیرہ سال کی زبانی دعوت سے سمجھ میں نہیں آیا، وہ یہاں فوراً سمجھ میں آ گیا۔ وہ اس لئے سمجھ میں آ گیا...... شیخ اسامہ یہاں ایک تاریخی جملہ کہتے ہیں...... کہ **السیف یعین علی فھم الحق** یعنی تلوار حق بات سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ کیوں؟...... کیونکہ نفسِ انسانی کے معاملے، بات میں صرف اتنی نہیں ہوتی، کہ محض دلائل سمجھنے سے انسان دعوت کا قائل ہو جاتا ہے...... جو سلیم الفطرت ہوتا ہے وہ تو قائل ہو جاتا ہے...... لیکن بہت سے انسان ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے نفس کی شرارت، بدمعاشی، تکبر ان کے اوپر غالب ہوتا ہے۔ یہ چیزیں دلائل واضح ہونے کے بعد بھی قبولِ حق میں مانع ہوتی ہے۔ تو ایسے لوگوں کے لئے جب

تلوار آجاتی ہے اور جب قوت کا صرف مظاہرہ ہوتا ہے...... گردن پر تلوار رکھ کر مارنے کی بات نہیں ہورہی...... صرف قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے، تو پھر مسلمانوں کی دعوت کو سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔ تو اِس اعتبار سے ہم دعوت سے کوئی علیحدہ کام نہیں کر رہے، بلکہ دعوت کے رستے میں جو حائل رکاوٹیں ہیں، ان کو دور کررہے ہیں، اور دعوۃ بالبنان، یعنی تلوار سے دعوت کا فریضہ ہے جس کو ہم ادا کررہے ہیں۔ تو ایسا نہیں ہے کہ ہم دعوت کے قائل نہیں۔

السّحاب: یہ واضح کیجیئے کہ آپ کے دشمن کون ہیں؟ یعنی یہ جہاد کس کے خلاف کیا جارہا ہے؟

استاد احمد: دیکھیئے! دوست اور دشمن کی پہچان تو انسانی زندگی میں اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ جو اس میں خطا کرے وہ پھر پوری زندگی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں یہ ٹھوکریں کھانے سے بچایا اور خود ہمارے دشمن کا تعارف کروایا۔ اور یہ تعارف اس مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر...... کہ دوست اور دشمن کو جاننا کتنا اہم ہے...... اللہ تعالیٰ نے یہ تعارف اس وقت کروایا جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر اترے بھی نہیں تھے۔ وہیں پر اللہ نے خبر دار کرتے ہوئے بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ وہ تمہیں بہکانا چاہے گا، اس سے ہوشیار رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے سے بھی...... حضرت آدم علیہ السلام کو ایک عملی تجربے سے گزار کر بھی انہیں یہ بات سکھلائی کہ انسان کا دوست اور ولی اللہ تعالیٰ ہیں۔ انسان کا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **و اللہ ولی المومنین**...... اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا ولی ہے، مددگار ہے، دوست ہے، ساتھی ہے۔ اور اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ **و اللہ ولی المتقین** اللہ متقیوں کا دوست ہے۔ تو ہمارا دوست جس پر بنیادی طور پہ ہم توکل کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

اور ہمارا دشمن شیطان ہے۔ اور شیطان کے نیچے جو اس کے چیلے ہیں، یا اس کے لشکر، اس کے احزاب ہیں اللہ نے ان کا تعارف بھی کرایا اور یہ بات بتادی کہ **و اللہ أعلم بأعدائکم** یعنی اللہ تمہارے دشمنوں کو تم سے بہتر جانتا ہے۔ **و کفی باللہ ولیا و کفی باللہ نصیرا** ......اور

دشمنوں کے مقابلے میں بطور دوست اور مدد گار اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے۔

چنانچہ دشمن کون ہے؟...... یہ فیصلہ میں نہیں کروں گا، میری عقل نہیں کرے گی، یہ ہم میں سے کوئی نہیں کرے گا۔ اس کے لئے ہر وہ شخص جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، وہ اللہ کی طرف، اللہ کی کتاب کی طرف، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے گا۔ وہاں لوٹتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دشمن کون ہیں۔ اللہ نے اتنا اہتمام کیا کہ ان کی درجہ بندی کر کے بھی ہمارے سامنے واضح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لتجدن اشد الناس عداوة للذین آمنوا الیهود و الذین اشرکوا......** کہ تم اہلِ ایمان کی دشمنی میں سب سے سخت پاؤ گے...... یہود کو اور مشرکوں کو۔ تو اللہ نے بنسبت نصاریٰ کے...... اِن دشمنوں کو زیادہ شدید دشمن قرار دیا۔ یہی وہ دشمن ہیں جن کے خلاف آج ہمارا قتال ہے، یعنی یہود کے خلاف، مشرکین کے خلاف......اور دیگر آیات نصاریٰ کی دشمنی بھی واضح کرتی ہیں۔

یہ تو وہ خارجی دشمن ہیں جن سے کئی سالوں سے اللہ کے فضل واحسان سے قتال جاری ہے، اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاری ہے۔ اس کا آغاز پوری قوت کے ساتھ ۱۹۹۶ء میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، یعنی امریکا کے بحری بیڑے کو نشانہ بنایا جاتا ہے، کینیا اور تنزانیا میں امریکا کے سفارت خانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح گیارہ ستمبر کے موقع پر امریکا کے اوپر حملہ کیا جاتا ہے۔ ۷ جولائی کے موقع پر لندن میں حملہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ پورا ایک تسلسل ہے کارروائیوں کا، جہاں ان دشمنوں کے خلاف مختلف انداز سے، مختلف جگہوں پر کارروائیاں کی گئیں۔

چوتھا دشمن وہ ہے کہ جس کا ذکر قرآن میں بھی آتا ہے، احادیث میں بھی آتا ہے، اور اسلاف نے بھی اپنی کتب میں اس کا تذکرہ کیا ہے......اور وہ ہیں مرتدین۔ ان کے بارے میں بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض علماء نے تو ان کو یہود اور مشرکین سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہے۔ جیسے صاحبِ مجمع الانہر قتال کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قتال کس کس کے

خلاف ہے؟......ان میں سے ایک مرتدین کو گنواتے ہیں اور فرماتے ہیں **والمرتدین، الذین هم أخبث الكفار**...... یعنی مرتدین، جو کفار کی سب سے خبیث، یا سب سے خطرناک قسم ہے۔ کیوں؟......**للانکار بعد الاقرار**، کیونکہ اقرار کر لینے کے بعد، ایمان واسلام کو قریب سے دیکھ لینے کے بعد پھر انہوں نے انکار کا رستہ اختیار کیا۔

تو یہ تین خارجی دشمن اور ایک داخلی دشمن ہیں جن کے خلاف آج ہم برسرِ پیکار ہیں۔ اور ہر محاذ پر اس کی مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے، کہ کہاں کس کو ترجیح حاصل ہے، اسی کے حساب سے امت کا دفاع کرنے میں مصروف ہیں۔

السّحاب: یہ تشویش پائی جاتی ہے کہ ماضی میں مسلمانوں نے روس کے خلاف جنگ لڑی۔ اس وقت امریکا اور اسی طرح مسلم ممالک بڑی تعداد میں روس کے خلاف مجاہدین کا ساتھ دے رہے تھے، ان کو وسائل فراہم کر رہے تھے، اسلحہ فراہم کر رہے تھے۔ تو آج امریکا کے خلاف لڑائی میں کہاں سے امداد مل رہی ہے اور کن وسائل کے بل بوتے پر اس کو شکست دینا ممکن ہو سکے گا؟

استاد احمد: دیکھئے! یہ تو ان شبہات میں سے ہے جو بڑی قوت کے ساتھ ساتھ، عالمی میڈیا نے، اور بالخصوص امریکا نے خود پھیلائے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی یہ شبہہ کہ روس کو شکست امریکا کی مدد سے دی گئی۔ یہ شبہہ پھیلانے کا بنیادی مقصد ایک ہے۔ اور یہ صرف اس جگہ نہیں پھیلایا گیا، بلکہ مجاہدین نے جو بڑی کارروائی کی، خواہ وہ گیارہ ستمبر ہو یا کوئی اور کارروائی ہو......ان سب مواقع پر امت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ نہیں!......تم لوگ یہ کام نہیں کر سکتے......مجاہدین کے بس میں ایسا کرنا نہیں ہے۔

یہ سب اس لئے کہ اس کے نتیجے میں امت میں جو بیداری پیدا ہونی چاہئے، جو جذبۂ عمل پیدا ہونا چاہئے، غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالنے کے لئے جو ہمت انہیں اس سے اخذ کرنی چاہئے، وہ یہ نہ کر پائیں۔ تو یہی وہ تصور ہے جو ذہنوں کے اندر مرعوبیت پیدا کرنے کے لئے بڑی محنت سے، سالہا سال کے پراپیگنڈے کے نتیجے میں ڈالا گیا۔ حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کا آغاز ۷۰ کی دہائی کے اواخر میں جا کر ہوتا ہے۔اس وقت سے لے کر تقریباً سن ۸۵ء، ۸۶ء کے عرصے تک، امریکا یا کسی بھی دوسری بیرونی قوت اس جہاد کے اندر نہ شامل ہوتی ہے اور نہ شامل ہونے سے کوئی دلچسپی رکھتی ہے۔ وہ سب اس وقت تماشا دیکھ رہے تھے۔ان کا گمان تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اتنے کم اسلحے کے ساتھ یہ منتشر مجاہدین کی ٹولیاں روس جیسی طاقت کو......جس سے اس وقت یورپ بھی کانپا کرتا تھا......شکست دے سکتے ہیں۔تو یہ سات آٹھ سال جو جہاد کا ابتدائی عرصہ ہے......جو مشکل عرصہ ہوتا ہے، جس میں صفر سے کام کا آغاز کرنا ہوتا ہے......اس میں محض اللہ پر توکل سے کام کا آغاز کیا گیا، جہاد کا آغاز کیا گیا۔اور اس مرحلے کے جتنے لوگ آج زندہ ہیں......اور بفضل اللہ ابھی بھی ایک تعداد ان بزرگ مجاہدین کی موجود ہے...... وہ سب کے سب اس بات پر گواہ ہیں، کہ اس پورے عرصے میں......اس پورے جہاد کے اندر امریکی مدد کا، یا دنیا کے کسی طاغوت کی مدد کا کوئی دخل نہیں تھا۔مجاہدین کی قربانیوں سے،شہداء کے خون سے، اللہ کی نصرتوں سے وہ جہاد جاری تھا۔ سن ۸۵ء ۸۶ء کے بعد، جب جہاد اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا......امریکا اس میں اترتا یا نہ اترتا، اس میں مداخلت کی کوشش کرتا یا نہ کرتا...... ہر دو صورت میں اللہ کی نصرت سے اس جہاد نے جاری رہنا تھا......اُس موقع پر امریکا آیا۔امریکا اپنے مفادات کے لئے آیا۔اس کے پیش نظر بنیادی چیز یہ تھی کہ وہ اس فتح کو کسی ایسے نتیجے تک نہ پہنچنے دے جو خود امریکا کی عالمی طاقت کے لئے خطرہ بن سکے۔اور دوسرا اس کے پیش نظر یہ تھا کہ اس کے سامنے ایک اس کا دیرینہ دشمن تھا......روس...... جس کو وہ گرانا چاہتا تھا۔

اس موقع پر بھی یہ بات کہنا درست نہیں ہوگا کہ اس نے مجاہدین کی مدد کی۔شیخ عبداللہ عزامؒ، جو اس وقت عرب مجاہدین کی نمایاں ترین شخصیات میں سے تھے، وہ اپنی ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ......سن ۸۶ء کے بعد کی تقریر ہے غالباً......جس میں وہ یہ کہتے ہیں کہ کہاں پر ہے امریکا کی مدد۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ امریکا آج کل ہماری مدد کر رہا ہے...... کہاں ہے وہ مدد؟ کہتے ہیں کہ

لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم سٹنگر امریکا سے لیتے ہیں، تو سٹنگر تو ہم بازار سے خریدتے ہیں، اور اس زمانے میں وہ ایک سٹنگر ستر ہزار روپے کا خریدا جاتا تھا۔ شیخ عزام کہتے ہیں کہ یہ میزائل وہ ہمیں کوئی تحفہ تو نہیں دے رہے۔ یہ تو وہ تجارت اور خریداری ہے جو کسی کے ساتھ بھی کی جاتی ہے۔ اس میں احسان کی یا مدد کی یا تعاون کی کیا بات ہے؟

اس سے ہٹ کر اس پورے جہاد کی عمومی بات کریں، بہت سا طبقہ عرب اور غیر عرب مجاہدین کا ایسا تھا، جنہوں نے کسی قسم کی نصرت، براہِ راست امریکا سے کسی قسم کا معاملہ، کسی قسم کی مدد قبول نہیں کی۔ یعنی یہ خالص جھوٹ ہے، اس کے اندر کچھ بھی حقیقت نہیں ہے کہ ان سے مدد لی جا رہی تھی۔ البتہ بعض چھوٹے مجموعات ایسے تھے جنہوں نے مدد وصول کی۔ اور اگر انہوں نے ''استعانت بالکفّار'' یا کفار سے مدد لینے کے لئے شریعت نے جو شرائط متعین کی ہیں، ان کو ملحوظ رکھے بغیر یہ مدد وصول کی، تو یقیناً غلط کیا، اور اس کے برے نتائج، اور جہاد میں سے برکتوں کا اٹھنا، وہ بھی سب نے ملاحظہ کیا۔ جیسا کہ شیخ عزامؒ خود یہ بات ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ ۸۶ء سے پہلے تک جب امریکی مداخلت نہیں ہوئی تھی، تو بے تحاشا کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ ایک پوری کتاب آپ نے اس موضوع پر لکھی ہے...... بشائر الرحمٰن فی جہاد الافغان...... جس کے اندر آپ نے وہ ساری کرامتیں جمع کی ہیں جو اس دور میں ظاہر ہوئیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ ۸۶ء کے بعد جیسے جیسے مجاہدین میں سے بعض لوگوں نے امریکا کی طرف رجوع شروع کیا...... اور وہ بھی براہِ راست نہ تھا بلکہ پاکستان یا سعودی عرب کی حکومتوں کے ذریعے سے تھا...... تو ویسے ویسے جہاد میں سے برکت کم ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب مجاہدین اس میں ملوث ہوئے تھے۔ اس وقت بھی مجاہدین کے بہت سے علماء تھے، بہت سے ذمہ داران ایسے تھے، بہت سے مجموعے ایسے تھے، جنہوں نے کبھی بھی اپنے دامن کو اس مدد سے داغدار نہیں کیا۔ اور یہ ان کی صداقت کا ثبوت ہے کہ وہی سب یا ان کی اولادیں، یا وہی مجموعات آج امریکا کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ تو یہ تو آپ کے سوال کے پہلے جزو کا جواب ہے۔

جہاں تک رہی یہ بات کہ آج ہم کس کی مدد سے لڑیں گے؟......تو جس کی مدد سے کل لڑے تھے، اسی کی مدد سے آج لڑیں گے۔ اللہ ہی کی نصرت پر پہلے بھی بھروسہ تھا۔ **و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون......** توکل کرنے والے اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ تو آج بھی اسی پر بھروسہ ہے۔ اور اللہ کی مدد کے بعد وہی سہارا ہے جس کی طرف اللہ نے اشارہ کیا، کہ **ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین......** کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ رب وہ ہے جس نے آپ کی مدد کی، اپنی تائید سے، اور مومنین کی تائید کے ذریعے سے۔ تو دوسرا سہارا ہمارا اللہ تعالیٰ کے بعد اہلِ ایمان ہیں، یہ امت ہے جو ہم سے محبت کرتی ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ ہمارے پیچھے کھڑی ہے، جس کی دعاؤں اور جس کے اموال اور جس کی نصرت اور مدد کے ذریعے سے جہاد جاری ہے۔

السّحاب: جہاد و مجاہدین پر اٹھائے جانے والے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روس کو شکست تو ہو گئی، لیکن اس جہاد کا کیا نتیجہ حاصل ہوا؟ اس کے بعد مجاہدین آپس میں لڑ پڑے، مسلمانوں میں خون خرابہ ہوا، تو حتمی طور پر اس جہاد کا کیا فائدہ ہوا؟

استاد احمد: دیکھئے! پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد میں فائدے اور نقصان کی بحث آئی کہاں سے؟ جہاد تو ہم نے پہلے کہا کہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہے اور ہم اس حکم کو پورا کرتے ہیں۔ ہم نعوذ باللہ کوئی کافر قوم......کوئی جرمنی یا فرانس یا برطانیہ تو ہیں نہیں کہ جہاد کو یا قتال کو یا جنگ کو ہم اپنی خارجہ پالیسی کا معاملہ سمجھتے ہوں، اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا کوئی فیصلہ سمجھتے ہوں۔ جب ہماری قوم کی مصلحت ہو تو کر لیں اور جب ہماری قوم کی مصلحت نہ ہو تو نہ کریں۔ جہاد تو اللہ کا حکم ہے۔ جب نماز میں، روزے میں، زکوۃ میں، دعوت میں، دیگر امور میں یہ سوالات نہیں اٹھتے کہ فائدہ ہے تو کرو اور فائدہ نہیں ہے تو نہ کرو......تو جہاد میں سوال کیوں آیا؟ جہاد کے لئے شریعت نے کچھ احکامات رکھ دئے، کچھ حالات بتا دئے، کہ ان میں فرضِ عین ہے، اور یہ حالات نہ ہوں تو فرضِ کفایہ ہے۔ یہ ''فرض'' ہے......اللہ کا حکم ہے جس کو ہم نے ایک مسلمان کے طور پر پورا کرنا ہے۔

دوسری بات یہ کہ آیئے عملاً بھی اس کا جائزہ لے لیتے ہیں کہ جہاد سے فائدہ کیا ہوا۔ گو کہ ہم شرعاً اس کے فوائد کے مکلّف نہیں ہیں۔ لیکن اس کا عملاً جائزہ لے لیتے ہیں کہ جہاد کا فائدہ کیا ہوا۔ تو روس کے خلاف جہاد کا تنہا اتنا فائدہ ہی بہت ہے کہ ایک ایسی امت جہاد کے راستے پر چل پڑی جو خلافت کے سقوط کے بعد سے، بلکہ اس سے کچھ پہلے سے ہی جہاد سے دور ہو چکی تھی اور اس عظیم فریضے کو چھوڑ بیٹھی تھی جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کو چھوڑو گے تو تمہارے اوپر ذلت مسلط ہو جائے گی۔ تو تنہا یہ فائدہ ہی جہاد کا کہ پوری امت کو ایک میدان مل گیا جہاں پر آ کر ہزار ہا نوجوانوں نے آ کر تربیت لی اور سینکڑوں مجاہدین نے اپنی جانیں اللہ کے رستے میں قربان کیں اور آگ کا ایک ایسا شعلہ پوری امت میں بھڑک اٹھا۔ لوگ افریقہ کے ممالک سے بھی آئے، لوگ عرب دنیا سے بھی آئے، لوگ وسطی ایشیا سے بھی آئے، مجاہدین انڈونیشیا، فلپائن، پاکستان ان سب علاقوں سے آئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ مجاہدین کی ایک ایسی نسل تیار ہوئی کہ اللہ کا فضل ہے کہ جب سے روس کے خلاف افغانستان کا جہاد شروع ہوا ہے...... اس وقت سے لے کر آج تک اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا ہے۔ جہادی بیداری پوری امت میں پھیلتی چلی گئی ہے۔ تو تنہا یہ ایک فائدہ ہی بہت ہے کہ ایک سوئی ہوئی مردہ امت میں اس جہاد نے جان ڈال دی ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ہم تاریخ کے پہیے کو یہاں پر روک دیں کہ چھ سات جماعتوں میں لڑائی شروع ہو گئی، روس کے نکل جانے کے بعد......؟ یہ تو سخت زیادتی والی بات ہے۔ تاریخ تو اس کے بعد جاری رہی ہے۔ ہم وہاں پر کیوں روک دیتے ہیں اور اس کے نتائج کو وہیں تک کیوں دیکھتے ہیں؟ طالبان کا اس کے بعد ظاہر ہونا اور خلافت کے سقوط کے بعد پہلی مرتبہ خالص شرعی بنیادوں پر ایک امارت کا قائم ہونا...... یہ اس جہاد کی برکت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ طالبان کون لوگ تھے؟ وہی تھے جو روس کے خلاف جہاد میں شریک تھے۔ جب انہوں نے آپس کی لڑائیوں کو کثرت سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے اٹھے اور انہوں نے

ایک اسلامی امارت قائم کی۔تو خلافت کے سقوط کے بعد پہلی مرتبہ ایک ایسی امارت تھی جس نے دنیا کی ہر ملامت سے بے پرواہ ہوکر اللہ کا حکم اللہ کی زمین کے اوپر نافذ کیا۔اور جس نے دورِ سلف کی یادیں تازہ کیں۔اور جس نے پوری دنیا کے مجاہدین کو ایک مسکن فراہم کیا جہاں سے وہ عالمی کفر کے خلاف بڑی بڑی کارروائیوں کے لئے منصوبے تیار کریں...... بڑی بڑی کارروائیوں کے لئے ایک پلیٹ فارم کا،ایک مرکز کا کام دیا۔افغانستان میں روس کے خلاف جو جہاد ہوا ہے اس کے فوائد یا اس کی برکات کے طور پر تو یہ فوائد تنہا ہی کافی ہیں،ان میں سے کوئی ایک فائدہ بھی ہوتا تو یہ بہت تھا۔اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی برکات دیکھنا چاہیں تو بے تحاشا ہیں۔

السّحاب: لیکن پھر یہ نکتہ اٹھایا جاتا ہے کہ اس کے بعد امریکا آیا اور امارتِ اسلامیہ افغانستان کا سقوط ہو گیا،تو آج بھی اگر امریکا کو مجاہدین شکست دے دیں،تو اس کے بعد کوئی اور طاقت مثلاً فرانس یا چین آسکتی ہے اور مسلمانوں کی کسی اسلامی حکومت کو ٹکنالوجی کے بل بوتے پر،جنگی قوت کے بل بوتے پر شکست دے سکتی ہے۔تو اصل چیز تو پھر جنگی قوت یا ٹکنالوجی ہوئی۔اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہا بھی ہے کہ **و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ**...... تو اس کو حاصل کرنا بھی تو مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری ہے اور اس کے بعد جب جنگی قوت ہو تو آپ کی طرف کوئی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکے گا۔پھر آپ شوق سے جہاد کیجئے۔تو اس اعتراض کا،جو بعض نام نہاد مفکرین کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے،آپ کیا جواب دیں گے؟

استاد احمد: دیکھئے!اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ آپ نے خود جو آیتِ مبارکہ پڑھی ہے،اللہ تعالیٰ اس میں فرماتے ہیں **واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ**۔ان الفاظ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔اور مفسرین نے اس کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔
ما استطعتم...... جتنی تمہاری استطاعت ہو۔مفسرین نے اس کے ذیل میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔کہ اس لفظ میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جتنی استطاعت ہو اتنی تیاری کرو یعنی بھرپور کرو،اپنا سب کچھ کھپاؤ تیاری کرنے میں،کفار کے خلاف مقابلے کے لئے۔اور دوسری بات اسی کے اندر

یہ بھی لکھی ہے کہ جتنی کر سکتے ہو کرو، اور میدان کے اندر اتر آؤ۔ تو یہ سمجھنا کہ ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ ہم دشمن کے مقابل آنے کی اور اس کی مماثل قوت فراہم کرنے کی کوشش کریں، یہ تو قرآن کی کسی آیت سے اور حدیث میں موجود کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ ہمیں حکم اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرنے کا ہے، نہ کہ دشمن کی استطاعت سے بڑھ کر۔ یہ پہلی چیز ہے جو واضح ہونی چاہئے کہ ہم اپنی استطاعت بھر تیاری کے مکلّف ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اپنی استطاعت بھر تیاری کرلیں، اور بالخصوص جب دفاع کی حالت ہو......تو پھر میدان میں اتر آئیں۔ جو کچھ موجود ہے، اسے لے کر۔ بدر کے اندر اگر مسلمانوں کی کل استطاعت اتنی تھی کہ ۳۱۳ صحابہؓ میدان میں اتر سکیں، اور چند تلواریں اور چند سواریاں میسر ہوئیں۔ اس کے علاوہ جس کے ہاتھ جو چیز آئی......کسی کے ہاتھ لکڑی آئی، کسی کے ہاتھ کلہاڑی آئی......وہ سب کچھ لے کر میدان کے اندر اتر آئے اور انہوں نے کفار کا مقابلہ کیا تو یہاں انہوں نے **واعدوا لھم ما استطعتم** کا حکم پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ جو حکم اور فریضہ ان پر تھا اسے انہوں نے پورا کیا اور میدان میں آگئے اور ہمارے لئے ایک سنت قائم کر دی۔

ایک چھوٹی سی مثال سے اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ کے گھر کے اندر چور ڈاکو پھلانگ کر آ جاتے ہیں۔ تو آپ ان کو کیا جواب دیں گے؟ کیا آپ ان سے یہ کہیں گے کہ بھئی آپ آ جائیں۔ ہمارے گھر پر مسلط ہو جائیں، جو کچھ لوٹنا ہے لوٹ لیں، جو کچھ اٹھا کر لے جانا ہے، لے جائیں، جو حرمتیں پامال کرنی ہیں، کرلیں......ابھی ہمیں اتنا وقت چاہئے کہ جس میں ہم آپ کے مقابلے کی تیاری کریں، آپ کے جیسے ہتھیار میسر کریں......اس کے بعد آپ کو جواب دیں۔ ابھی جو کرنا ہے کرلیں۔

یہ بات تو شریعت سے پہلے انسانی عقل کے خلاف ہے۔ جب کوئی ہمارے اوپر چڑھ آتا ہے، تو ایک مسلمان کیا، ایک غیرت مند کافر بھی ہوتا ہے، تو وہ ہاتھ میں جو کچھ بھی آتا ہے،

اسے لے کر اپنا دفاع کرتا ہے۔انسانوں سے باہر بھی نکل جائیں......کافر تو پھر بھی کسی طرح انسانوں میں شامل ہوتے ہیں......یعنی ایک بلی جیسے جانور کو بھی،اور ایک مرغی جیسے جانور کو بھی اگر آپ دیوار کے ساتھ لگائیں اور اسے گھیر لیں،تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتی،لیکن غرا سکتی ہے تو غراتی ہے،جو کچھ کرسکتی ہے کرتی ہے۔یہ تو شریعت کے ساتھ ساتھ انسانی عقل کا تقاضا ہے کہ جب دشمن حملہ آور ہو،تو پھر اتنی مہلت نہیں ہوتی ہے۔پھر جو کچھ میسر ہوتا ہے وہ لے کر میدان میں اترا جاتا ہے۔اور تیاری کا عمل اس کے ساتھ ساتھ جاری رکھا جاتا ہے۔

یہیں پر ایک تیسرا نکتہ بھی ہے جو ذہن میں رہنا چاہئے کہ جو لوگ میدان سے باہر بیٹھ کر یہ اعتراضات کرتے ہیں کہ ہمارے پاس دشمن کے مقابلے کی قوت نہیں ہے،وہ کیسے جانیں کہ دشمن کے مقابلے کے لئے کیسی قوت چاہئے؟ دشمن اپنی فوجوں کا رعب اپنے میڈیا کے ذریعے بٹھاتا ہے،ہالی ووڈ فلمیں بنا بنا کر پوری دنیا کو اپنی فوجوں سے ڈراتا ہے۔جو دور بیٹھے ہیں......وہ کبھی میدان میں اتریں تو انہیں اندازہ ہو کہ ان فوجوں کی حقیقت کیا ہے۔یہ جو بڑے بڑے ٹینک لے کر آتے ہیں،بڑے بڑے جہاز لے کر آتے ہیں،یہ جوان کی بہت ساری خصوصیات بتاتے ہیں......ان کی حقیقت کیا ہے اور وہ واقعتاً کتنا نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ اور دوسری طرف سے ان چیزوں کو خراب کرنے کے لئے،انہیں توڑنے کے لئے،ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی قوت درکار ہے؟ یہ باتیں میدان میں اترے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی ہیں۔لوگ ہنس کر کہتے ہیں کہ کلاشن کوفوں سے مقابلہ کیا......ہم کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے اللہ کی نصرت کے بعد کلاشن کوفوں سے مقابلہ کیا۔اور ان معمولی ہتھیاروں سے مقابلہ ممکن ہے۔روس وہ ہاتھی تھا جس کے خوف سے نیٹو کانپا کرتا تھا۔اس سے لڑائی مول لینے سے نیٹو......اتنے سارے یورپی ممالک کا اتحاد......گھبرایا کرتا تھا......امریکا کی اس سے جان جاتی تھی۔سرد جنگ چلی،وہ جنگ کبھی گرم نہیں ہوسکی۔اس لئے کہ لڑائی لڑتے ہوئے امریکا کی جان جاتی تھی۔مجاہدین نے ان چھوٹے چھوٹے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا اور اللہ کے فضل اور اس کی نصرت کے ذریعے اس کو شکست دی۔تو یہ سمجھنا ضروری ہے

کہ عملاً کتنی تیاری چاہئے اور عملاً کتنی استطاعت درکار ہے دشمن کو شکست دینے کے لئے؟ انہیں شکست دینے کے لئے ہمیں لازماً انہی کی طرح کے ہتھیار، انہی کی طرح کے جہاز، انہی کی طرح کے ٹینک لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آجائیں تو آجائیں، اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔ نہ بھی آئیں، تو جس طرح روس کو شکست دی گئی اسی طرح ان کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔

ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جس مرحلے میں ہم ابھی ہیں، یہ تخریب کا مرحلہ ہے۔ یعنی اس وقت کفر نے ایک عالمی نظام قائم کر رکھا ہے۔ اقوامِ متحدہ اور اس کے نیچے ایک پورا ڈھانچہ ہے جو بنا ہوا ہے۔ امریکا اور یہود کی سرکردگی میں ایک پورا نظام ہے جو قائم ہے۔ پہلے اس سارے نظام کو گرانا ہے۔ وہ گرے گا، جڑوں سے اکھڑے گا تو اس کے بعد خلافت کا نظام واپس آئے گا۔ تو اس کو گرانے کے لئے...... یعنی یہ تو عقل کی بات ہے کہ تخریب کے لئے ہمیشہ تھوڑی قوت چاہئے ہوتی ہے۔ امریکا نے بہت پیسے خرچ کر کے، کروڑوں ڈالر لگا کر، ایک بہت اونچی عمارت...... دو بڑے بڑے ٹاور کھڑے کئے۔ گیارہ ستمبر کے دن وہ نشانہ بنے تو اس کو گرانے کے لئے مجاہدین کا کیا لگا؟ انیس مجاہدین کا خون لگا۔ وہ انہی کے ایئرپورٹوں سے اڑے، انہی کے جہازوں کو استعمال کیا اور واپس انہی کی عمارتوں کے اوپر دے مارا۔ اس میں کیا خرچہ آیا، کتنی بڑی ٹیکنالوجی اس میں لگ گئی؟ زیادہ سے زیادہ ان کی تربیت میں اور سفر کے اخراجات اور مصارف آئے۔ یہ وہ کل محنت تھی جو مجاہدین کو کرنا پڑی۔ اسی طرح امریکا کا بحری جہاز...... جس کے بارے میں وہ کیسی کیسی تعریفات کیا کرتے تھے...... اس کو تباہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کس چیز سے کام لیا؟ ایک چھوٹی سی لائف بوٹ، ایک چھوٹی سی کشتی! اس کے اندر دو مجاہدین سوار ہو کر گئے اور جا کر اس فدائی کشتی سے ٹکر ماری اور وہ بحری جہاز ناکارہ ہو گیا۔ تو اسی مثال پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وہ بڑا ذہن لڑا کر، بہت سے انجینئر بٹھا کر ایک فیکٹری میں ایک ٹینک کا نیا ماڈل تیار کرتے ہیں۔ یہاں ایک پریشر ککر یا ایک بالٹی کے اندر کوئی پانچ دس کلو بارود ڈال کر ایک سادہ سا افغانی بھائی جاتا ہے اور اس کے نیچے اسے رکھ کر اڑا دیتا ہے۔ اگر خرچے کا بھی موازنہ کریں تو زمین آسمان کا

فرق ہے۔جس شخص کے ذہن سے ایک دفعہ کفر کی مرعوبیت نکل جائے، وہ حقائق کو میدان میں آ کر دیکھے، وہ جانتا ہے کہ بفضل اللہ ہمیں اس مرحلے میں کفر کو گرانے کے لئے اتنی بڑی طاقت نہیں چاہئے کہ جتنا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔

اور آخری بات یہ کہ کیا ہم نے طاقت سے، مادی قوت سے ان کو شکست دینی ہے؟ ہم تو مادی قوت اس لئے فراہم کرتے ہیں کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ **واعدوا لھم ما استطعتم**۔اس کا فتح اور شکست سے کیا تعلق ہے؟ فتح اور شکست کا تعلق تو خالصتاً نصرت اور تائیدِ الٰہی سے ہے۔ ورنہ تین سو تیرہ صحابہؓ نے ایک ہزار کے لشکر پر فتح پائی۔لیکن وہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حنین کے دن میدان میں اترتے ہیں، اور دل میں ادنی سی یہ بات آ جاتی ہے کہ آج تو ہماری تعداد بہت زیادہ ہے۔ جب ہم تین سو تیرہ تھے تو ہم نے شکست نہیں کھائی تھی، تو آج کیسے کھائیں گے؟ تو اللہ سورۃ توبہ میں فرماتے ہیں **ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم**...... کہ حنین کا دن جب تمہیں تمہاری کثرت نے دھوکے میں ڈال دیا...... **فلم تغنی عنکم شیئا**...... تو کثرت تمہارے کسی کام نہیں آئی۔اسباب تو میسر تھے نا!......طاقت موجود تھی۔لیکن اللہ کہتے ہیں کہ وہ کثرت تمہارے کسی کام نہیں آئی......**فلم تغنی عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین**...... اللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے فرمارہے ہیں کہ زمین تم پر تنگ ہوگئی اور تم بھی پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع ہو گئے۔روایات میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چند قریبی ساتھیوں کے سوا سب لوگ پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ **وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم**...... فتح کہاں سے آتی ہے؟ ......اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے۔اور اللہ کی سنت عجیب سنت ہے۔اللہ فرماتے ہیں: **ونرید ان نمن علی الذین الستضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین**...... اللہ فرماتے ہیں طاقتوروں کو نہیں......میں زمین کی وراثت کس کو دیتا ہوں؟...... ان ضعفاء کو دیتا ہوں جن کو زمین میں کمزور پاکر دبالیا گیا۔اور اللہ فرماتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ

ان پر احسان کریں اور زمین کی خلافت اور زمین میں طاقت وقوت ان کو عطا کریں۔

السّحاب: مجاہدین پر بعض دین پسند حلقوں میں یہ تنقید کی جاتی ہے کہ امارتِ اسلامیہ افغانستان میں دنیا بھر کے مجاہدین کو جائے پناہ ملی، ٹھکانہ ملا، مراکز ملے۔ لیکن وہاں سے ایسے موقع پر کفر کے ساتھ جنگ مول لے لی گئی جب مسلمانوں کی تیاری پوری طرح نہیں تھی۔ تو امریکا پر جو گیارہ ستمبر کے دن حملے کئے گئے، کیا وقت سے پہلے تیاری کے بغیر حملے کر کے، امریکا کو جنگ کی دعوت نہیں دی گئی؟......جس کے نقصان کی صورت میں امارتِ اسلامیہ ہم سے چھن گئی۔

استاد احمد: دیکھئے......سوال سے یہ لگتا ہے کہ یہ ایسے لوگوں کی طرف سے اٹھایا جاتا کہ انہیں گیارہ ستمبر سے پہلے کی دنیا یاد نہیں ہے۔ کیا یہود فلسطین میں گیارہ ستمبر کے بعد داخل ہوئے؟ کیا بھارت کشمیر میں گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد داخل ہوا؟ کیا امریکا نے دنیا بھر میں مسلمانوں کو محکوم بنانے کے لئے اور اپنی حاکمیت......غیر اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے لئے جو نظام قائم کر رکھا تھا، کیا وہ گیارہ ستمبر کے بعد وجود میں آیا تھا؟ کیا امریکا صومالیہ میں گیارہ ستمبر کے بعد حملہ آور ہوا تھا؟ کیا بوسنیا کے اندر مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہوا......ایک ایک شہر میں ہزارہا مسلمانوں کو ذبح کیا گیا...... پورا یورپ اس سب کا تماشہ دیکھ رہا تھا......کیا یہ سب کچھ گیارہ ستمبر کے بعد ہوا۔ یہ سوال تو اصولاً سوال بنتا ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر اس سے پہلے کے حالات کو لوٹ کر دیکھیں تو امت انتہائی ذلت کی کیفیت میں، اور دنیا کے کونے کونے میں اس کے ساتھ مار کھانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔

امت جس کیفیت سے گزر رہی تھی...... گیارہ ستمبر نے تو اس پوری کیفیت کا رخ موڑا ہے۔ اس نے تو دریا کی سمت موڑی ہے، ہواؤں کا رخ موڑا ہے۔ اللہ نے گیارہ ستمبر کے دن حملہ کرنے والے ان انیس شہداء کے خون میں ایسی برکت ڈالی کہ ذلت کا جو جام ہم اتنے عرصے سے پی رہے تھے، پہلی مرتبہ ان دشمنوں کو بھی پینے کو ملا۔ پہلی مرتبہ کفر کو اپنی زمین پر ایسی مار پڑی کہ وہ بوکھلا کر رہ گیا۔ اور اس کے بعد ایک سلسلہ شروع ہو گیا......یعنی وہاں پر رکا نہیں۔ پھر ۷/۷ بھی ہوا،

پھر میڈرڈ میں بھی حملہ ہوا اور اس کے بعد بھی کارروائیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اللہ کے فضل سے ابھی بھی جاری ہے اور جاری رہے گا بھی......ان شاءاللہ۔

اس واقعہ نے تو امت کو ایک حوصلہ دیا ہے......خلافت کے سقوط کے بعد پہلی مرتبہ یہ ہمت دی کہ امتِ مسلمہ میں یہ شعور بیدار ہوا، کہ ہاں! وہ کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات بھی کر سکتی ہے اور اس کے گریبان میں ہاتھ بھی ڈال سکتی ہے۔ اور جہاد کی برکتوں کے ذریعے سے، اللہ نے اس امت کو......امتِ وسط کا، حاکم امت کا اور دنیا میں خلیفہ امت کا جو مقام دیا ہے، وہ مقام دوبارہ حاصل بھی کیا جا سکتا ہے۔ تو گیارہ ستمبر نے حالات کو خراب نہیں کیا، بلکہ اس نے تو پہلی مرتبہ حالات کا رخ پھیرا ہے اور کفار کو بھی پہلی مرتبہ ان مظالم کی کچھ قیمت ادا کرنی پڑی ہے جو وہ مسلمانوں کے اوپر کر رہے ہیں۔

یہ تو اس بات کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ امریکا جیسے دیو کو گرانا کسی اور طرح ممکن نہیں تھا۔ امریکا جیسا دیو اسی صورت میں گر سکتا تھا کہ وہ خود چل کر مسلمانوں کی زمین پر آتا۔ وہ ہم سے دور بیٹھ کر ریموٹ کنٹرول کے ذریعے سے یعنی اپنے آلہ کاروں کے ذریعے ہم سے کام لے رہا تھا۔ یہ سوال شاید گیارہ ستمبر کے فوراً بعد ہوتا، سال ڈیڑھ سال بعد ہوتا، تو اس سوال میں وزن بھی ہوتا۔ اب تو سات آٹھ سال گزر چکے ہیں، اور لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ فائدہ امت کو زیادہ ہوا یا نقصان؟ سات آٹھ سال میں امریکا کی کمر ٹوٹ گئی۔ آج وہ عراق سے نکلنے کا ٹائم فریم دے چکا ہے۔ افغانستان میں مذاکرات کی باتیں کر رہا ہے۔ اور اس کا اقتصاد ایسا بیٹھا ہے کہ اس کی پوری تاریخ میں اسکی معاشی کمر اس طرح نہیں ٹوٹی۔

سب سے اہم چیز اس سارے معاملے میں یہ ہے کہ امریکا، جس نے آج تک اپنے دجالی چہرے کے اوپر ایک خوشنما کپڑا ڈال رکھا تھا......اور امت مسلمہ میں سے بہت سے لوگ ایسے تھے جو امریکا کو روس سے مختلف سمجھتے تھے، مہذب سمجھتے تھے اللہ کے فضل اور اس کے احسان سے، اللہ تعالٰی نے اس کے چہرے پر سے وہ کپڑا اٹھایا۔ گوانتانامو میں جو کچھ ہوا، ابو غریب میں جو

کچھ ہوا، اللہ تعالیٰ اس سب کے ذریعے امریکا کا اصل مکروہ، صلیبی، سیکولر چہرا دنیا کے سامنے لے کر آئے۔ جہاد کی برکتوں سے، گیارہ ستمبر کی برکات سے۔

گیارہ ستمبر کے فوائد تو لا متناہی ہیں۔ آج اگر امریکا تباہی کے دہانے تک پہنچا...... جہاں تک وہ پہنچ چکا ہے......امریکا کی اور اس کے ساتھ ساتھ پورے مغرب کی، نیٹو کی شکست نظر آ رہی ہے......اس ساری شکست کا نکتۂ آغاز گیارہ ستمبر کا مبارک دن تھا۔

اسی طرح گیارہ ستمبر کی برکات میں سے ایک بہت بڑی برکت یہ ہے کہ اللہ نے اس امت کے اوپر اس کا عقیدہ واضح کیا۔ دوستی اور دشمنی کی وہ پہچان جو کئی دہائیوں سے گم ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے وہ پہچان دوبارہ عطا کی اور اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو، یعنی ہر طبقے کو......اہلِ علم کو، معاشرے کے عام لوگوں کو، حکمرانوں کو، افواج کو اللہ نے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے آخری زمانے کے حوالے سے کہ لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے......**فسطاط ایمان لا نفاق فیه**...... کہ ایک ایمان والوں کا خیمہ یا کیمپ ہوگا کہ جس کے اندر نفاق کا کوئی ذرہ، کوئی آمیزش نہیں ہوگی......اور دوسرا...... **فسطاط نفاق لا ایمان فیه**...... نفاق کا خیمہ ہوگا جس کے اندر ایمان کا کوئی شائبہ نہ ہوگا۔ تو آج تو ہر صاحبِ بصیرت شخص کو واضح نظر آ رہا ہے کہ پوری دنیا دو حصّوں میں بٹ چکی ہے۔ اور اسلام تو پہلے ہی کہتا تھا کہ **لا الی ھولاء و لا الی ھولاء** والا انداز قبول نہیں ہے۔ لیکن کفر کے امام نے بھی، یعنی بش نے بھی اس بات کی تصریح کر دی، کہ یا ہمارے ساتھ ہو جاؤ، یا مجاہدین، یعنی ان کی اصطلاح میں دہشت گردوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ تو پوری دنیا دو میں بٹ گئی۔ تو یہ اتنے بڑے بڑے احسانات ہیں کہ اتنے دجل و فریب اور اتنے مکر سے اور تعلیمی نظام کے ذریعے سے اور میڈیا کے ذریعے سے انہوں نے امت کے عقیدے کو جو آلودہ کر دیا تھا، دوست اور دشمن کی پہچان کو خراب کر دیا تھا......ایک گیارہ ستمبر کی برکت سے اس ساری پہچان کو، اس سارے کھوئے ہوئے عقیدے کو اور جہاد کی تڑپ کو اللہ تعالیٰ واپس لے کر آئے۔

رہی بات امارتِ اسلامیہ کی......تو ان شاء اللہ امارت کا واپس آنا بھی اب کوئی بہت دور کی چیز نظر نہیں آ رہی۔ یہ تو ہم ابھی سے دیکھ رہے ہیں کہ افغانستان کے جو جنوبی علاقے ہیں وہاں ابھی سے مجاہدین کی گرفت ہے۔ اور سوائے شہروں کے، مرکزی چند علاقوں کے، یا بازار کے اور اس کے ارد گرد کے تھوڑے سے حصے کے، باقی جگہوں پر امیر المومنین ملا عمر حفظہ اللہ کی طرف سے امراء بھی مقرر ہیں، شرعی قاضی بھی مقرر ہیں، عام لوگ جن کی طرف رجوع کرتے ہیں فیصلوں کے لئے۔ تو ان شاء اللہ ابھی سے امارتِ اسلامیہ کی واپسی کے اثار ہیں اور امریکا کے نکلنے کے اور گھٹنے ٹیکنے کی آثار ابھی سے نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ابھی تازہ خبر ہے کہ ہلمند میں انہوں نے بڑی قوت کے ساتھ آپریشن کا آغاز کیا، لیکن تھوڑے سے دنوں ہی میں برطانوی فوج کا اتنا نقصان ہوا کہ برطانیہ کے اپنے اندر شور مچنا شروع ہو گیا۔ اور اب برطانوی خود سوچ رہے ہیں کہ اپنی فوج واپس نکالیں یا نہ نکالیں۔ یہ ایک عارضی سا مرحلہ تھا، اللہ نے چاہا تو پہلے سے زیادہ قوت و طاقت کے ساتھ وہ سب کچھ واپس لوٹے گا۔

السّحاب: جزاکم اللہ خیراً کثیراً۔ یہاں پر ہماری گفتگو کے حصّہ اوّل کا اختتام ہوتا ہے۔ اور ہم استاد احمد سے شکریہ کے ساتھ اجازت چاہیں گے۔ ان شاء اللہ آئندہ حصوں میں خراسان اور پاکستان کی سرزمین میں جہاد سے متعلق موضوعات پر بات کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمام سعی و کوششوں میں اپنی برکت شامل فرمائے۔ **و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔ والسلام و علیکم ورحمة الله وبرکاته۔**



السیف یعین علی فہم الحق

تلوار حق بات سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ کیوں؟...... کیونکہ نفسِ انسانی کے معاملے، بات میں صرف اتنی نہیں ہوتی، کہ محض دلائل سمجھنے سے انسان دعوت کا قائل ہو جاتا ہے...... جو سلیم الفطرت ہوتا ہے وہ تو قائل ہو جاتا ہے...... لیکن بہت سے انسان ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے نفس کی شرارت، بدمعاشی، تکبر ان کے اوپر غالب ہوتا ہے۔ یہ چیزیں دلائل واضح ہونے کے بعد بھی قبولِ حق میں مانع ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب تلوار آجاتی ہے اور جب قوت کا صرف مظاہرہ ہوتا ہے...... گردن پر تلوار رکھ کر مارنے کی بات نہیں ہو رہی...... صرف قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے، تو پھر مسلمانوں کی دعوت کو سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔ اِس اعتبار سے ہم مجاہدین دعوت سے کوئی علیحدہ کام نہیں کر رہے، بلکہ دعوت کے رستے میں حائل رکاوٹیں دور کر رہے ہیں۔ اور دعوۃ بالبنان، یعنی تلوار سے دعوت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

السّحاب